قرآن مجید کی کتابت و تدوین

ایک مختصر جائزہ

ابوالحسن اعظمی

آئندہ سطروں میں قرآن مجید کی کتابت اور تدوین کے مختلف ادوار کا ایک مختصر سا تعارف پیش کیا جارہا ہے۔ اس سے ان کوششوں کا کسی قدر اندازہ کیا جاسکتا ہے جو اس سلسلہ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد مبارک اور خلفاء راشدین کے دور مسعود میں کی گئیں اور اس کتاب عزیز کے ایک ایک لفظ کی حفاظت کے لیے کیا غیر معمولی اہتمام کیا گیا۔ یہ مسلمانوں کی تاریخ کا ایک بڑا تابناک اور روشن باب ہے۔ ضرورت اس بات کی ہے کہ یہ ایمان افروز داستان باربار دہرائی جاتی رہے تاکہ معاندین اسلام حفاظت قرآن کے سلسلہ میں شکوک و شبہات پیدا کرنے کی جو سعی نامشکور کرتے رہتے ہیں اس کے مسموم اثرات کا ازالہ کیا جاسکے (ادارہ)

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا معمول یہ تھا کہ جب کوئی آیت، چند آیات یا کوئی سورہ نازل ہوتی تھی تو اُسے حضرت زید بن ثابت رضؓ یا کسی اور کاتب وحی کو بلا کر لکھوا دیتے تھے، یہ حضرات کاتبینِ وحی اسے کاغذ کے ٹکڑے یا کسی ہڈی پر اور کبھی کھجور کی ٹہنی پر اور کبھی پتھروں کی تختی پر لکھ لیا کرتے تھے، اس طرح پورے کا پورا قرآن مجید پیغمبر علیہ السلام کے زمانہ ہی میں محفوظ ہوگیا تھا لیکن اس وقت اکثر مدار حفظ پر تھا اصحاب کرامؓ عموماً بغیر دیکھے صرف سُن کر خداداد حافظہ کی بدولت اپنے سینوں میں محفوظ رکھتے تھے۔

پیغمبر علیہ السلام کی رحلت کے بعد سلسلۂ وحی کے انقطاع سے درمیانی اضافہ جات کی کوئی

گنجائش باقی نہ رہی۔قرآن جو اب تک باقاعدہ کتابی شکل میں مجتمع اور یکجا نہ تھا۔دورِ صدیقی میں یکجا کردیا گیا، اس کا پس منظر یہ تھا کہ دورِ صدیقی میں بمقام یمامہ مدعی نبوت مسیلمہ کذاب سے حضرت خالد بن ولیدؓ کی سرکردگی میں ایک خونریز جنگ ہوئی جس میں شہدا اسلام کی تعداد بارہ سو تھی، اور بہت سے زخمی تھے بخاری شریف کے حاشیہ میں مذکور ہے "کان عدۃ من القراء سبع مائۃ"، یعنی اس جنگ میں شہید ہونے والے قرار وحفاظ کی تعداد سات سو تھی، ان قرار میں حضرت سالمؓ بھی تھے ان کی خصوصیت یہ تھی کہ یہ ان چار جلیل القدر قرار میں دوسرے تھے جن سے پیغمبر علیہ السلام قرآن مجید پڑھنے کا حکم فرمایا کرتے تھے۔[1]

نیز یہ کہ حضرت سالمؓ کے ساتھ جو فوجی دستہ تھا وہ اہل قرآن کا (یعنی قرار وحفاظ کا) دستہ سمجھا جاتا تھا یہ سب حضرات ایسے تھے جن کے پاس قرآن کریم تحریراً بھی موجود تھا۔

سیدنا حضرت عمر بن الخطابؓ کو اس صورتِ حال سے شدید اندیشہ لاحق ہوا، واقعہ کی اہمیت کا تقاضا بھی یہی تھا، مبادا آئندہ جنگوں میں قرآن کے باقی حفاظ بھی شہید ہوجائیں اور اس عظیم دولت سے امت محروم ہوجائے، چنانچہ آپ نے صدیق اکبرؓ کو اس جانب توجہ دلائی اور قرآن کے تمام حصول کو یکجا کیے جانے کی صورت پیدا ہوئی۔حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے مسلسل اصرار کے نتیجہ میں صدیق اکبرؓ تیار ہوگئے اور حضرت زید بن ثابتؓ کو تتبع اور جمع قرآن کا حکم فرمایا۔حضرت زیدؓ کو لکھنے اور حضرت ابی بن کعبؓ کو لکھانے کا حکم فرمایا۔کمالِ احتیاط کے پیشِ نظر ان دونوں حضرات نے یہ طریقۂ کار اختیار کیا کہ جن حضراتِ صحابہؓ کے پاس سے قرآن کو اکٹھا کرتے ان سے دو دو گواہ بھی اس بات کے لیے لیتے کہ انھوں نے یہ آیات اور یہ حصہ قرآنی پیغمبر علیہ السلام کے بتلائے ہوئے رسم الخط پر تحریر کیا تھا۔اس طرح نہایت احتیاط کے ساتھ جمعِ قرآن کا کام سرانجام پایا۔قرآن مجید کا یہ نسخہ حضرت ابوبکر صدیقؓ کے پاس آپ کی وفات تک رہا۔آپ کی وفات کے بعد امیر المومنین حضرت عمرؓ کے پاس تاحیات رہا آپ کی وفات کے بعد ام المومنین حضرت حفصہؓ کے پاس رہا۔[2]

جس حسنِ انتظام واہتمام کے ساتھ جمع وکتابتِ قرآن کی یہ عظیم الشان خدمت خلیفۂ اول نے انجام دی اسے دیکھ کر کون کہہ سکتا ہے کہ اس کے اندر کسی قسم کی ادنیٰ فروگذاشت ہوئی ہوگی، حضرت علیؓ

فرماتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ابوبکرؓ پر رحم فرمائے وہ اولین شخص تھے جنھوں نے قرآن کو کتابی صورت میں جمع کیا۳ؔ۔" مسلمانوں کا تو خیر عقیدہ و ایمان ہی ہے، ایک غیر مسلم مشہور زمانہ متعصب عیسائی ولیم میور کو برملا اعتراف و اقرار کرنا پڑا۔ وہ لکھتا ہے۔ "قرآن کا کوئی جزء، کوئی فقرہ، اور کوئی لفظ ایسا نہیں سنا گیا۔ جسے جمع کرنے والوں نے چھوڑ دیا ہو"۴ؔ

بہر حال اس کام سے فراغت کے بعد اس کے تصدیق شدہ نسخوں کی بکثرت نقلیں شائع کی گئیں اور کوئی مقام اور کوئی شہر ایسا نہ تھا جہاں لوگوں کے پاس بکثرت مصاحف کے نسخے نہ ہوں۔

خلیفۃ المسلمین ہونے کے بعد حضرت عمر فاروقؓ قرآن کریم کی نشر و اشاعت کی جانب بطورِ خاص متوجہ ہوئے آپ نے ایک مرتبہ اپنے فوجی افسروں کو لکھا کہ میرے پاس حفاظ کو بھیجو تاکہ ان کے ذریعہ قرآن کی تعلیم کا اہتمام کیا جائے۔ اس کے جواب میں حضرت سعد بن وقاصؓ نے انہیں مطلع کیا کہ صرف میری فوج میں تین سو حفاظ ہیں۔

ابن حزم کہتے ہیں کہ آپ کے عہد میں امت کے پاس ایک لاکھ سے زائد قرآن پاک کے لکھے ہوئے نسخے موجود تھے۔ اسی کے ساتھ باجماعت نمازِ تراویح کی بنیاد آپ نے ڈالی اور پوری مملکت میں اسے نافذ فرمایا۔ حفظِ قرآن کی تحریک کو آپ کے اس حکم سے زبردست تقویت حاصل ہوئی امت پر حضرت عمرؓ کا یہ بڑا احسان ہے کہ آج تک اس کے پاس قرآن مجید بالکل اسی شکل میں موجود ہے جیسا کہ وہ نزول کے وقت تھا۔ حکیم الاسلام حضرت شاہ ولی اللہؒ فرماتے ہیں۔

امروز ہر کہ قرآن میخواند از طوائف مسلمین منتِ فاروقِ اعظم در گردن او ست ۵ؔ

یعنی مسلمانوں میں سے جو بھی قرآن کی تلاوت کرتا ہے اس کی گردن احسانِ فاروقی سے دبی ہوئی ہے

جب فتوحات اسلامی کا سلسلہ دراز ہوا اور عرب سے باہر مختلف امصار و بلاد کے لوگ حلقۂ اسلامی میں داخل ہونے لگے اور عربی زبان، مادری زبان نہ ہونے کے باعث حروف و الفاظ کے صحیح تلفظ اور ادائیگی عموماً ان میں نہیں پائی جاتی تھی اسی کے ساتھ خود عرب کے مختلف قبائل میں لب و لہجہ کا اختلاف کثرت سے پایا جاتا تھا اور درحقیقت یہ اختلاف خاص عرب اور عربی زبان کے ساتھ مخصوص نہیں ہے۔ ابن قتیبہ ان اختلافات کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔ فالھذلی یقرأ عتّٰی عین' والاسدی یقرأ تعلمون بکسرالتا۔ والتیمی یھمز والقریش لا یھمز ۶ؔ یعنی قبیلۂ بنی ہذیل (حتّٰی حین)

کو عتی عین پڑھتے ہیں اور اسدی حضرات تعلمون بکسر التار پڑھتے ہیں اس طرح تمیمی ہمزہ کو بالتحقیق پڑھتے ہیں اور قریش ہمزہ نہیں پڑھتے۔

اسی طرح قبیلہ قیس کے لوگ کاف تانیث کا تلفظ شین سے اس طرح کرتے ہیں خدجعل ربک تحتک سریا کو ربش تحش سریا تمیمی اُن کو عَن ادا کرتے ہیں اور یہی تمیمی سین کی جگہ تا کا تلفظ کرتے تھے۔ مثلاً رب الناس ملک الناس کو رب النات ملک النات پڑھتے تھے۔

یہ بات قابلِ غور ہے کہ جب قبائل عرب میں اختلاف لب ولہجہ کا یہ حال تھا تو اہل عجم کا کیا کچھ نہ رہا ہوگا اور دور جانے کی ضرورت نہیں خود اپنے ملک کے مختلف علاقوں میں زبان لب ولہجہ کا یہ اختلاف بدیہی طور پر نظر آتا ہے۔ چنانچہ پنجاب والے "ق" کو "ک" اور حیدر آباد والے "ق" کو "خ" بولتے ہیں یعنی پنجابی لفظ تقریب کا تلفظ تکریب سے اور دکنی اسی کو تخریب سے کریں گے وغیرہ وغیرہ اب اگر قرآن کریم کی کتابت وطباعت ان مختلف انداز تلفظ اور گوناگوں لب ولہجہ کے لحاظ سے ہوتی تو آج کل کیا حال ہوتا امت عظیم اختلاف کا شکار ہو کر رہ جاتی۔

اسی کے ساتھ ایک چیز یہ بھی تھی کہ عوام معلمین سے قرآن سیکھتے اور سکھاتے رہے ان معلمین میں بعض تعلیم کے وقت کچھ توضیحی اور تشریحی الفاظ کا اضافہ بھی کرتے تھے اور متعلمین اسے جزو قرآن سمجھ کر رکھ لیا کرتے تھے مثلاً لَیْسَ عَلَیْکُمْ جُنَاحٌ اَنْ تَبْتَغُوْا فَضْلًا مِّنْ رَّبِّکُمْ (تم پر کوئی گناہ نہیں کہ تم اپنے رب کا فضل تلاش کرو) حضرت عبداللہ بن مسعودؓ اپنے ذاتی نسخہ میں "فی مواسم الحج" کے الفاظ بڑھا لیے تھے جس کا مطلب یہ ہے کہ ایام حج میں تجارت کرکے مالی فائدہ اٹھایا جاسکتا ہے ظاہر کہ یہ اضافہ محض توضیح وتشریح کے لیے تھا۔

اسی طرح ہر تلفظ کی ادائیگی کے لیے پیغمبر علیہ السلام نے جو اجازت دی تھی اس کے اندر بھی مبالغہ ہونے لگا اور نوبت سخت قسم کے اختلافات اور کفر بعضہم بعضاً تک پہنچنے لگی۔

چنانچہ عہد عثمانی میں فتح آرمینیہ اور آذربائیجان (۳۰ھ) کے وقت شام وعراق کی فوجیں ایک جگہ جمع تھیں۔ ان دونوں کی قرارت میں تشویشناک حد تک اختلاف پایا گیا۔ ایک شخص دوسرے سے اپنی قرارت کو افضل قرار دیتا۔ اس جنگ میں اور دیگر اصحاب کے ساتھ حضرت حذیفہ ابن الیمانؓ بھی تھے۔ انھوں نے جب یہ منظر دیکھا تو اس صورت حال

سے آپ کو سخت تشویش ہوئی، اس واقعہ کی تفصیل بخاری شریف میں دیکھی جاسکتی ہے۔[۵۷]

خلاصہ یہ کہ حضرت حذیفہؓ کو اس سے بڑا دکھ ہوا، واپس ہو کر آپ نے خلیفۂ وقت حضرت عثمانؓ سے یہ واقعہ بیان کر کے ان کی توجہ اس طرف مبذول کرائی کہ قرارت کو رسم الخط کا پابند اور اضافہ جات کو حذف اور جمع شدہ قرآن سب کے روبرو لایا جائے۔ حضرت عثمانؓ نے حضرت حذیفہؓ کی رائے کو پسند فرمایا اور ام المومنین حضرت حفصہؓ کے پاس سے عہد صدیقی کا جمع کردہ قرآن مجید منگوا کر حضرت زید بن ثابتؓ اور حضرت عبدالرحمٰن بن حارث ابن ہشامؓ کو اس کام پر مقرر فرمایا، تاکید یہ تھی کہ اس رسم الخط میں تمام قرارت متواترہ ثابت ہوں سیوطی اتقان میں لکھتے ہیں:

"جہاں تک مشہور اور مختلف قرارت کا تعلق ہے جیسے اوصی ووصی، تجری تحتہا من تحتہا، سیقولون اللّٰہ (وللّٰہ وما عملت ایدیھم۔ وما عملتہ اور فتبینوا فتثبتوا وغیرہ۔ یہ سب قرأتیں حضرت عثمانؓ کے جمع کردہ قرآن میں موجود تھیں[۵۸] چونکہ اس وقت قرآن میں نقطے اور اعراب نہیں لگائے گئے تھے جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ بعض الفاظ کو جن میں مختلف قرارت تھیں انھیں کئی طریقوں سے پڑھا جاسکتا تھا۔

قرأت متواترہ کو ثابت اور باقی رکھنے کی وجہ یہ تھی کہ اس کی اجازت خود حدیث مشہور سے ثابت ہے۔ ان ھذا القرآن انزل علی سبعۃ احرف فاقرؤا ما تیسر منہ۔[۵۹] دوسری تاکید یہ تھی کہ دوران کتابت جہاں اختلاف اور مشکل پیش آئے وہاں لغت قریش کو ترجیح دیتے ہوئے اسی کے مطابق لکھا جائے کیونکہ قریش ہی کی لغت میں قرآن نازل ہوا ہے۔ قرارت قرآن کے بارے میں یہی اختلاف و نزاع حضرت عثمانؓ کے قرآن کریم کو کتابی صورت میں جمع و کتابت کا اساسی اور بنیادی سبب تھا۔ اس کام کی تکمیل کے بعد مشہور قول کے مطابق اس کے پانچ نسخے لکھے گئے۔ یہ نسخے مدینہ، مکہ، شام، بصرہ، کوفہ، روانہ کیے گئے۔

سیدنا حضرت عثمانؓ یہ چاہتے تھے کہ لوگ صرف تحریر کردہ قرآنی نسخوں ہی پر قانع نہ ہو جائیں بلکہ براہ راست بالمشافہ صحابہؓ کے منھ سے قرآن سن کر اپنے سینوں میں محفوظ کر لیں اس سے معلوم ہوا کہ قرآن کریم کی تعلیم میں صرف مطالعہ کافی نہیں بلکہ کسی ماہر معلم سے بالمشافہ

سیکھنا ضروری ہے اسی لیے حضرت عثمان رضؓ جب کہیں کوئی نسخہ قرآن کا بھیجتے تو اس کے ساتھ ایک معلم قاری بھی بھیجتے۔ اسی لیے ان مذکورہ پانچوں شہروں کے لیے ممتاز صحابۂ کرامؓ بحیثیت معلم اور نگراں مقرر کیے گئے۔ چنانچہ مدینہ میں حضرت زید بن ثابتؓ کو مکہ میں حضرت عبداللہؓ ابن السائب کو شام میں حضرت مغیرہ بن شہابؓ کو بصرہ میں حضرت عامر بن عبداللہ القیسؓ کو اور کوفہ میں حضرت عبدالرحمٰن السلمیؒ کو نگراں مقرر کیا گیا اور ایک نسخہ حضرت عثمانؓ نے اپنے پاس رکھا[۱۰]۔ اس طرح مصاحف کی تعداد چھ ہو جاتی ہے بعض لوگوں نے مصاحف کی تعداد آٹھ بتائی ہے۔ ان روایات کے مطابق ساتواں بحرین اور آٹھواں یمن ارسال کیا گیا۔

بعض نے یہ بھی کہا ہے کہ حضرت عثمانؓ نے ایک مصحف مصر میں بھی روانہ کیا[۱۱]۔ قرآن مجید کے انھیں نسخوں کو مصاحف عثمانی کہا جاتا ہے۔ قرآنیت کے اصول ثلثہ میں سے ایک اصول یہ بھی ہے کہ جس قرآن کا رسم الخط ان مصاحف عثمانی کے مطابق ہوگا وہی قرآن کہا جائے گا اس کے خلاف جائز نہیں۔ قرآن کریم کو مصحف کا نام سب سے پہلے حضرت ابوبکرؓ کے خلافت میں دیا گیا۔

محمد بن عبداللہ بن اشتہ (م ۳۶۰ھ) نے اپنی کتاب "المصاحف" میں بطریق موسیٰ بن عقبہ روایت کیا ہے کہ جب قرآن کو جمع کر کے اوراق پر لکھا گیا تو حضرت ابوبکرؓ نے فرمایا کہ اس کا کوئی نام مقرر کیجئے بعض نے "السفر" (سیغامات) تجویز کیا، آپ نے فرمایا یہ یہود کا تجویز کردہ نام ہے۔ بعض نے "المصحف" نام رکھنے کی تجویز پیش کی یہ نام حبشہ میں رائج تھا۔ اس پر اتفاق ہو گیا اور قرآن کریم کو المصحف کہا جانے لگا۔

سیدنا حضرت عثمانؓ نے مذکورہ بالا علاقوں میں مصاحف روانہ کر کے یہ حکم جاری فرمایا کہ اس کے علاوہ جس کے پاس بھی ذاتی قرآن کریم کے نسخے موجود ہوں وہ حکومت کو بھیج دیئے جائیں چنانچہ دوسرے تمام نسخے معدوم کر دیئے گئے۔ اس میں شبہ کی کوئی گنجائش نہیں کہ حضرت عثمانؓ نے ان ذاتی اور عمومی نسخہائے قرآنی کے معدوم کیے جانے کا جو حکم دیا تھا وہ عظیم حکمت و مصلحت پر مبنی تھا کیونکہ ان نسخوں کا وجود امت میں زبردست افتراق و اختلاف کا سبب بن سکتا تھا اور عہد رسالت سے جس قدر دوری ہوتی جاتی اسی قدر

یہ نسخے امت کے لیے زیادہ مضر ثابت ہوتے۔

مصاحف کے تعدد کی وجہ :

یہ امر ظاہر و باہر ہے کہ وہ الفاظ جن میں ایک سے زائد قراءت متواتر دلیل سے ثابت نہ تھی ان کو ایک ہی طرح لکھا جاتا تھا، لیکن جن الفاظ کی قراءت متعدد وجوہ سے دلیل متواتر سے ثابت ہوا انھیں قرآن کے ایک ہی نسخہ میں اس طرح لکھا جاتا کہ اس سے قراءت کی تمام وجوہ کا اظہار ہو سکے ممکن نہ تھا، اس لیے کاتبینِ قرآن مجید ایسے الفاظ کو ایک نسخہ میں ایک طرح اور دوسرے میں دوسری طرح لکھنے پر مجبور تھے بہر حال حضرت عثمانؓ کے اس اقدام کو لوگوں نے بڑی وقعت اور پسندیدگی کی نگاہ سے دیکھا۔ قرآن کریم کے ذاتی اور انفرادی نسخوں کے معدوم کیے جانے کا اقدام آپ نے صحابہ کرام کے مشوروں سے کیا تھا "حضرت علیؓ فرمایا کرتے تھے کہ عثمانؓ کے بارے میں بھلائی کے سوا کچھ نہ کہو، بخدا آپ نے مصاحف کے بارے میں جو کچھ بھی کیا ہمارے مشورہ کے مطابق اور ہماری موجودگی میں کیا[۱۲] حضرت عثمانؓ کی جگہ میں مسندِ خلافت پر متمکن ہوتا تو مصاحف کے ساتھ وہی سلوک کرتا جو عثمانؓ نے کیا۔[۱۳]

مصاحف عثمانی کی خصوصیات :

سیدنا حضرت عثمانؓ کے جمع و کتابت کردہ مصاحف کی خصوصیات یہ تھیں کہ وہ ان زیادت سے پاک تھے جن کو توضیح و تفسیر تفصیلِ مجمل یا اثباتِ محذوف کے طور پر پڑھا گیا تھا، انفرادی مصاحف میں جو شاذ کلمات تھے انھیں بھی خارج کر دیا گیا مصاحف عثمانی میں آیتوں اور سورتوں کی ترتیب بھی وہی تھی جو موجودہ قرآنی نسخوں میں ہے مصاحف عثمانی نقطے اور اعراب سے خالی رکھے گئے تھے جن سے فائدہ یہ تھا کہ مختلف قراءت پڑھی جاسکتی تھیں۔ مسلمانوں میں عام طریقے پر ایک غلط فہمی یہ پھیلی ہوئی ہے کہ حضرت عثمانؓ جامع القرآن ہیں واضح ہو کہ آپؓ کی یہ خدمت "جمع القرآن" کی نہیں تھی بلکہ اس کی نوعیت اور صورت

یہ تھی کہ آپ نے لوگوں کو "کتابت کی حد تک ایک ہی قرارت پر جمع فرمادیا تھا۔ چنانچہ آپ کو بجائے "جامع القرآن" کے "جامع الناس علی القرآن" یا علی مصحف واحد" کہنا صحیح ہے مشہور عالم ابوعبداللہ حارث محاسبی (م ۲۴۳ھ) کا قول اتقان میں ان الفاظ میں ملتا ہے:

"المشهور عند الناس ان جامع القرآن عثمان، ولیس کذلک، انما حمل عثمان الناس علی القراءة توجه واحد[۱۴] یعنی لوگوں میں مشہور ہے کہ حضرت عثمانؓ جامع القرآن ہیں حالانکہ یہ صحیح نہیں ہے بلکہ انھوں نے قرآن کی ایک رسم الخط والی قرارت پر سب لوگوں کو جمع کیا۔

جمع صدیقی وعثمانی میں فرق:

سیدنا ابوبکر صدیقؓ اور حضرت عثمانؓ کے جمع قرآن میں یہ فرق ہے کہ قرآن جو منتشر اور متفرق تھا اسے پیغمبر علیہ السلام کی فرمودہ تعلیم وترتیب کے موافق حضرت ابوبکر صدیقؓ نے جمع کیا۔ اور حضرت عثمانؓ نے مختلف قرارت کو ایک رسم الخط پر جمع کیا اور متعدد نسخے مختلف شہروں میں پھیلائے سیدنا حضرت عثمانؓ کی یہ خدمتِ قرآنی بجائے خود ایک عظیم خدمت ہے اور امت پر زبردست احسان ہے کہ رسم الخط اور کتابت کی حد تک قرآن میں وحدت کا رنگ پیدا کردیا۔ بہرحال اس میں شبہ کی بات نہیں اور ہر منصف مزاج شخص اس بات کی تائید کرتا ہے کہ قرآن کے سوا دنیا کی کسی کتاب کی حفاظت کے لیے وہ اہتمام نہیں کیا گیا جو قرآن کے حصہ میں آیا اور قرآن کے سوا دنیا کی کوئی کتاب بطریق تواتر انسانوں تک نہیں پہنچی۔

مستشرق شوالی (SCHWALLY) نے بجا طور پر کہا کہ "قرآن انسان کی توقعات سے بھی زیادہ مکمل صورت میں ان کے پاس پہنچا۔"[۱۵]

اس میں حیرت کی کوئی بات نہیں ایسا ہونا ہی چاہیے تھا، قرآن میں خود اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔ لَا يَأْتِيهِ الْبَاطِلُ مِنْ بَيْنِ يَدَيْهِ وَلَا مِنْ خَلْفِهِ تَنْزِيلٌ مِنْ حَكِيمٍ حَمِيدٍ (فصلت: ۴۲) یعنی باطل نہ اس کے آگے سے آسکتا ہے نہ پیچھے سے یہ خداوند عالم کا نازل کردہ ہے۔ إِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَإِنَّا لَهُ لَحَافِظُونَ (حجر: ۹) بے شک ہم نے ہی اس ذکر (قرآن کو نازل کیا اور ہم ہی

اس کے (لفظاً معناً رسماً وکتابۃً) محافظ ہیں۔

مصحف مدنی :

مصاحف عثمانیہ کا جو نسخہ مدینہ میں رکھا گیا وہ تاحین حیات حضرت عثمانؓ کے پاس رہا آپ کی شہادت کے بعد حضرت علیؓ کے پاس رہا، پھر خلافت کے ساتھ حضرت امیر معاویہؓ کے سپرد ہوا، وہاں سے اندلس پہنچا، اندلس سے مراکش کے دارالسلطنت "فاس" پہنچا پھر کسی طرح مدینہ پہنچا، جنگ عظیم اول میں فخری پاشا گورنر مدینہ اسے دیگر تبرکات کے ساتھ قسطنطنیہ لے گیا۔ یہ نسخہ وہاں توپ قاپی میوزیم میں محفوظ ہے۔[۱۶]

مصحف مکی

مکی نسخہ ۶۵۷ھ تک مکہ معظمہ میں رہا، محمد بن جبیر اندلسی نے ۵۷۹ھ میں مکہ میں اس کی زیارت کی تھی۔ مولانا شبلی نعمانی نے لکھا ہے کہ جس زمانہ میں (انیسویں صدی کا آخر) انھوں نے قسطنطنیہ کی سیاحت کی یہ نسخہ جامع دمشق میں موجود تھا[۱۷] عثمانی سلطان عبدالحمید خاں ۱۸۷۶ء میں تخت نشین ہوئے اور تقریباً تیس ۳۰ برس تک انھوں نے حکومت کی ان کے زمانے میں مسجد جامع دمشق کو آگ لگ گئی اس میں یہ مصحف بھی جل گیا۔[۱۸]

مصحف شامی :

یہ نسخہ کوفہ سے سلاطین اندلس پھر سلاطین موحدین پھر سلاطین بنی مرین کے قبضہ میں آیا اور جامع قرطبہ میں رہا اہل قرطبہ نے سلطان عبدالمومن کو دیا عبدالمومن کے حکم سے ابن بشکوال نے اسے دارالسلطنت مراکش منتقل کیا۔ یہ منتقلی ۱۱ شوال ۵۵۱ھ کو ہوئی ۶۴۵ھ میں خلیفہ معتضد علی بن مامون کے پاس رہا اسی سال خلیفہ نے تلمسان پر فوج کشی کی اور اسی فوج کشی میں وہ گم ہو گیا لیکن پھر کسی طرح تلمسان کے شاہی خزانہ میں پہنچا، وہاں سے ایک تاجر خرید کر فارس لایا وہاں اب تک موجود ہے۔

مصحف بصری:

یہ نسخہ کتب خانہ خدیو (مصر) میں رہا اسے سلطان صلاح الدین ایوبیؒ کے وزیر نے ۵۷۵ھ میں تیس ہزار اشرفی میں خریدا تھا۔

مصحف کوفی:

کتب خانہ جامع ازہر مصر میں موجود ہے۔

مصحف بحرین:

فرانس کے کتب خانہ میں موجود ہے۔

مصحف عثمانی کا ایک نسخہ انڈیا آفس (لندن) کی لائبریری میں بھی موجود ہے اس پر لکھا ہوا ہے "کتبہ عثمان بن عفانؓ" یہ نسخہ شاہان مغلیہ کے پاس تھا اس پر بادشاہ اکبر کی مہر بھی ہے بعد میں ایسٹ انڈیا کمپنی کے کتب خانہ میں منتقل ہوا۔ ۱۸۲۵ء میں یہ نسخہ میجر رالنسن (RAWLINSON) کے ذریعہ انڈیا آفس کے کتب خانہ میں پہنچا۔[۷۹]

حواشی ومراجع

۱۔ صحیح بخاری، کتاب فضائل القرآن، باب جمع القرآن، کتب خانہ رشیدیہ، دہلی، ۷۴۵/۲، حاشیہ نمبر ۶

۲۔ صحیح بخاری، کتاب فضائل القرآن، باب جمع القرآن، ۷۴۶/۲

۳۔ الزرکشی، البرہان فی علوم القرآن (تحقیق محمد ابو الفضل ابراہیم) بیروت (بدون تاریخ)، ۲۲۹/۱

۴۔ S. WILLIAM MUIR, THE LIFE OF MOHAMMAD, EDINBURG, 1923 P.XXVI (INTRODUCTION)

۵۔ بحوالہ علامہ شبلی نعمانی، الفاروق، معارف پریس، اعظم گڑھ ۱۹۵۶ء، حصہ دوم، ص ۱۱۶

۶۔ طاہر الجزائری، بتیان فی مباحث القرآن، ص ۴۴

۷ھ صحیح بخاری، کتاب فضائل القرآن، باب جمع القرآن، ۲/۷۴۶
۸ھ السیوطی، الاتقان فی علوم القرآن، مصطفی البابی الحلبی، مصر ۱۹۷۸ء، ۲/۲۱۷
۹ھ صحیح بخاری، کتاب فضائل القرآن، باب انزل القرآن علی سبعة احرف، ۲/۷۴۶، صحیح مسلم، کتاب فضائل القرآن، باب بیان القرآن انزل علی سبعة احرف، ۱/۲۷۲
۱۰ھ الزرقانی، مناہل العرفان فی علوم القرآن، دار احیاء کتب العربیہ، مصر (بدون تاریخ)، ۱/۳۹۶-۳۹۷
۱۱ھ ابن الجزری، النشر فی القراءات العشر، ۱/۷
۱۲ھ السیوطی، الاتقان فی علوم القرآن، ۱/۷۹۔
۱۳ھ ابن ابی داؤد، کتاب المصاحف، بیروت، ۱۹۸۵ء، ص ۱۹
۱۴ھ السیوطی، الاتقان فی علوم القرآن، ۱/۸۰

۱۵ھ SCHWALLY, DIE SAMMLUNG DES QURANS, II/93
بحوالہ صبحی الصالح، مباحث فی علوم القرآن، مطبعہ جامعہ دمشق، دمشق، ۱۹۶۲ء، ص ۹۱
۱۶ھ رحیم بخش المقری، الخط العثمانی فی الرسم القرآنی،
۱۷ھ علامہ شبلی نعمانی، مقالات شبلی جلد اول (مقالہ: تاریخ ترتیب قرآن)، مطبع معارف، اعظم گڑھ ۱۹۵۴ء، ص ۲۳
۱۸ھ مقالات شبلی، محولہ بالا، ۱/۲۳

۱۹ھ OTTO LOTH, A CATALOGUE OF THE ARABIC MANUSCRIPTS IN THE LIBRARY OF INDIA OFFICE, LONDON, 1877, P. 2.

ممتاز محقق و ماہر اسلامیات ڈاکٹر حمید اللہ (پیرس) کے بیان کے مطابق (ششماہی علوم القرآن، ۲/۴، جولائی۔ دسمبر ۱۹۸۷ء، ص ۵۵-۵۶) مصحف عثمانی کے صرف تین نسخے اس وقت دنیا میں موجود ہیں۔ ایک تاشقند دوسرا استنبول اور تیسرا اندن میں محفوظ ہے۔ فاضل مقالہ نگار نے اول الذکر نسخہ (جو کافی معروف ہے) کا کوئی ذکر نہیں کیا ہے۔ اس نسخہ سے متعلق تفصیلات کے لیے ملاحظہ فرمائیں ششماہی علوم القرآن میں شائع شدہ (۳/۱-۲، جنوری۔ دسمبر ۱۹۸۸ء، ص ۸۱-۹۷) مضمون "مصحف عثمانی تاشقند میں" (ادارہ)